محی الدین ابن عربی

ایمان و محبت اور روحانیت کا ایک مثالی داعی

ترجمہ از مولانا خالد کمال صاحب مبارکپوری

مورخین اور سوانح نگاروں کی تصریح کے مطابق محی الدین بن عربی اندلس کے ایک مشہور شہر "مرسیہ" میں ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے یہ شہر اندلس میں وہی مقام رکھتا تھا جو شام میں دمشق کو حاصل تھا غالباً اسی شہر کی تعریف میں شاعر نے بے ساختہ کہا تھا ع

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

یہ شہر اپنی پیداوار، سرسبزی و شادابی اور علوم و معارف کے لئے ضرب المثل تھا جس میں مساجد و مدارس اور کتب خانوں کی فراوانی تھی۔

ابن عربی کی ماں کے متعلق اسکے علاوہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ نہایت پارسا اور خدا رسیدہ بندی تھیں جنہیں خود ابن عربی نے اولیاء تک کا مرتبہ دیا ہے اور ان کا نام "نور" تھا، اپنے ماموں کے متعلق لکھتے ہیں کہ میرے ماموں ابو مسلم خولانی بڑے تہجد گذار اور عابد و زاہد مسلمان تھے۔ ان کے دادا "احمد" اندلس کے مشہور علماء میں شمار کئے جاتے تھے اور عہدۂ قضاۃ پر فائز تھے۔ آپ کا پورا نام ابوبکر محمد بن علی بن احمد بن عبد اللہ حاتمی اندلسی طائی تھا۔ اس طرح آپ مشہور عالم سخی حاتم طائی کے لڑکے عبد اللہ بن حاتم کی اولاد سے تھے جو عدی بن حاتم کے بھائی ہیں جو اسلامی تاریخ میں نمایاں شخصیت کے مالک ہیں۔

جس وقت آپ نے مشرق کا سفر کیا تو اس وقت آپکا نام بن عربی (بغیر الف لام کے) رکھا گیا تاکہ اندلس کے مشہور عالم و فقیہ بن العربی سے امتیاز ہو سکے۔ جو "اشبیلیہ" میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز تھے، اس سے پہلے آپ کو بن سراقہ کے لفظ سے پکارا جاتا تھا لیکن مشرق کے اس اول و آخری سفر کے بعد یہ لفظ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ بن عربی جیسا عظیم لفظ استعمال ہونے لگا۔

بن عربی کی نشو و نما علم و فقہ اور تصوف کے دامن میں ہوئی اور ایمان و تقوی کے ماحول میں انہوں نے سانس لی، جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوگئی تو اپنے والد محترم کیساتھ "مرسیہ" سے اشبیلیہ منتقل ہو گئے جو

اس عہد کا ایک عظیم اسلامی تہذیب کا گہوارہ شمار کیا جاتا تھا یہاں آپ نے ابوبکر بن خلف سے قرآن کریم پڑھا اس کے بعد فقہ و حدیث کی تعلیم مشہور و معروف علماء سے حاصل کی اور اشبیلیہ ہی میں مقیم ہو گئے پھر وہاں سے منتقل ہو کر "سبتہ" میں اقامت اختیار کی، اس اثناء میں آپ نے تیونس کا سفر بھی کیا اور وہاں کے علماء و فقہاء سے علمی تعلقات پیدا کئے، ۵۹۷ھ کے قریب مشرق کے سفر کا ارادہ کیا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، اسلامی حکومتوں کی سیاحت کے بعد دمشق ہی واپس آئے وہیں رہے اور وہیں پچھتر ۷۵ برس کی عمر میں وفات پا کر دفن بھی کئے گئے۔

محی الدین بن عربی کو روحانیت کے علمبرداروں میں بڑا اونچا مقام حاصل ہے، ان کی مثال ایسے مشعل سے دیجاتی ہے کہ جس سے زیادہ روشن مشعل کسی نے اس عالم روحانیت میں رسولوں، پیغمبروں اور معدودے چند اولیاء اللہ کے علاوہ کبھی نہیں دیکھی۔ یہ معرفت الٰہی کے کامیاب عارف تھے اور انسانی محبت ان کا امتیازی نشان تھا۔ ایک شعر میں اپنے اس امتیاز کو یوں ظاہر فرماتے ہیں:

ادین بدین الحب انی توجہت
رکائبہ فالحب دینی وایمانی

ترجمہ: محبت کی رکاب چلے ہے جس جانب متوجہ ہو وہی میرا دین ہے لہذا محبت ہی میرا دین و ایمان ہے۔

ایک انسان کے اندر اسکی روح سے زیادہ صاف شفاف اور اسکے قلب سے زیادہ پاکیزہ اور اسکے نفس سے زیادہ طاہر کوئی چیز نہیں ہے بشرطیکہ ہر شے سے الگ ہو کر ان کا تعلق خالص محبت سے ہو جائے اور انانیت سے مبرا ہو جائے اسوقت وہ حقیقی انسان ہو جاتا ہے اور آدمیت

کی تمام شرائط اس کے اندر پائی جانے لگتی ہیں، ان صفتوں کے پیدا ہو جانے کے بعد ایک انسان اپنی پسند کو دوسروں کی پسند سمجھنے لگتا ہے اور اس کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے، حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے محبت کے نام پر اس دعوت کی جانب لوگوں کو بلایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم کو اخوت کے لفظ سے ادا فرمایا، ان دونوں پیشواؤں کی دعوت کو سامنے رکھکر بن عربی نے اپنے فلسفۂ محبت کی بنیاد رکھی اور اپنے ایمان و دین کا ایک جزء لاینفک قرار دیا۔

یہاں پہنچکر ہم کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یہ عظیم شخصیت جس کا نام تاریخ نے ان اصحاب فکر کے ساتھ جوڑ دیا ہے جو مذہب غور و فکر کے عادی تھے کیا تھی؟ اور یہ عظیم فلسفی جس کے نام پر "شیخ اکبر" کا لقب غالب آگیا ہے کس میدان کا مجاہد تھا؟ جس نے اپنے زمانہ کے علوم و معارف کو کنگھال ڈالا تھا اور علم و فن کے میدان میں اپنے مشہور فن ہم عصروں پر سبقت لیجا چکا تھا اور عالمگیر شہرت کا مالک ہو گیا تھا۔

اب تک اہل علم اس عظیم شخصیت پر ریسرچ کر رہے ہیں، اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس مرد آہن کی حقیقت سے واقف ہو جائیں۔

اب تک کی تحقیق نے یہی ثابت کیا ہے کہ یہ ایک تصوف پسند جید عالم تھا۔ اسلامی تصوف ایک فلسفہ ہے جس کی بنیاد محبت و عبادت یا عبادت و محبت پر رکھی گئی ہے اور دونوں تصوف کی روح ہیں اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہے بلکہ دونوں ایک ہی محور پر گھوم رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کے زمانے سے جو محمد بن عربی سے تقریباً سو ۱۰۰

برس پہلے کا زمانہ ہے۔ صوفیار کا خیال ہے کہ معرفت کیلئے
روحانی وسائل ہونے ضروری ہیں جن کے ذریعہ نفس اسرار
حکم کا ادراک کرتا ہے اور یہ معرفت عقل وحواس کی
معرفت سے بالاتر ہوتی ہے ۔ بن عربی اپنے علوم ومعارف
کے متعلق لکھتے ہیں :

ماعندنا بحمد اللہ تقلید الحمدللہ کہ اپنے پاس کسی
لاحد انما ھو مدد من کی تقلید نہیں ہے بلکہ جو معارف
رسولی خصصت بہ ہیں وہ میرے رسول صلی اللہ
وفیض من ربی اکرمنی علیہ وسلم کے خصوصی اعانت ہیں
بانوارہ۔ اور میرے پروردگار کے فیض
ہیں۔ میرے رب نے اپنے انوار سے میری تکریم فرمائی ہے ۔

ان علوم ربانی تک پہنچنے کا ذریعہ بن عربی کے نزدیک
صرف ایک ہے جیسے ان الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے :

ان علی المؤمن المتأدب ایک ایسے مومن کے لئے جو
بآداب ربہ المحافظ علی اپنے رب کے آداب کو اپنانے
شریعتہ ان یلزم الخلوۃ والا ہو اور اس کی شریعت
والذکر ویفرغ فکرہ کا محافظ ہو ضروری ہے کہ
مما سواہ ویقعد فقیرا ذکر وخلوت کو بہر صورت اپنے
لاشئ لہ عند ہ باب ربہ لئے لازم قرار دے لے
حینئذ یمنحہ اللہ تعالے اور اپنے غور وفکر کو انکے علاوہ
ویعطیہ من العلوم و دوسری چیزوں سے بالکلیہ
الاسرار الالھیۃ والمعارف پھیر لے اور اپنے رب کے دروازہ
الربانیۃ ما یغیب عندھا پر بے سروسامان فقیر بن کر بیٹھ
کل متکلم علی البسیطۃ جائے تب اللہ تعالیٰ اس پر
لانہا علوم واسرار معارف نظر کرم فرمائیں گے اور اسکو
وراء احکام العقل لیست قدرت کے وہ علوم واسرار اور
فی متناولہ لانہا منۃ الوھاب معارف ربانی عطا فرمائیں گے

العلیم۔ جہاں پہنچکر بڑے بڑے متکلم
بغلیں جھانکنے لگتے ہیں، کیونکہ ایسے علوم ومعارف ہوتے ہیں
جو عقل وحواس کی دسترس سے بالاتر ہیں۔ یہ وہب وعلم کی
ذاتی صفت رکھنے والے کا مخصوص عطیہ ہے

صوفیار متقدمین علمار متاخرین سے عقل باطنی کے ادراک
اور عقلی، روحی، نفسی زندگی میں اسکے اثرات سے ایک گونہ
متفق نظر آتے ہیں اور الہام جو معرفت کا اہم ذریعہ ہے
اس میں بھی متقدمین ومتاخرین ہم خیال پائے جاتے ہیں
چنانچہ "سقراط" کا کہنا ہے کہ :

انہ کان یسمع باذنیہ ما وہ (سقراط) اپنے دونوں کانوں
تلقی الیہ الروح : سے روح کے القار والہام کو
سنا کرتا تھا ۔

اسی طرح مشہور شاعر "لارٹین" کا قول ہے کہ :

لست انا الذی افکر و * لکن افکاری ھی التی تفکرلی
میں خود کچھ نہیں سوچتا بلکہ میرے افکار ہی میرے لئے سوچا
کرتے ہیں ۔

ایسے ہی افکار کے اندر تامل واستغراق جو معرفت
کا ایک اور اہم جزو ہے اسکے آثار بھی تمام قوموں کے
قائدین اور مفکرین کے نزدیک ہر زمانہ میں پائے جاتے
ہیں ۔

بن عربی کو صوفیار کرام میں الہام وتامل کے اعتبار سے
ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس
مسلک کے امام، صاحب مذہب اور ایک خاص مکتبۂ خیال
کے مؤسس تھے تو بیجا نہ ہوگا کیونکہ بن عربی جیسا کہ مشہور
ہے ایک عظیم فلسفی تھے اگرچہ علم فلاسفہ کی طرح انہوں نے
تحلیل وترکیب کی راہ نہیں اختیار کی، دوسرے لفظوں میں
آپ یوں کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے عقل ظاہر کو مؤثر کل نہیں

مانا بلکہ عقل باطنی، رمز و اشارہ اور تصویر عاطفی کے راستہ کو اختیار کیا اور انہی کو قلوب و نفوس کے تزکیہ کا ذریعہ قرار دیا اور ایمان کو اس کا معاون و مددگار بتلایا، اگر غور سے دیکھا جائے تو رسولوں کی رسالت اور ہادیوں کی ہدایت کا مبنیٰ بھی یہی تھا۔

بن عربی کی شہرۂ آفاق تصنیف "فتوحات مکیہ" کی تصریح کے مطابق جب وہ علم حاصل کر چکے تو ہر طرف سے یکسو ہو کر خلوت نشین ہو گئے، تامل و استغراق کے ذریعہ اپنے دل کی صفائی شروع کر دی۔ اپنے وجدان کو عبادت سے معمور بنا لیا اور اپنے نفس کو محبت کی لذتوں سے آشنا کر کے اس کے اندر فیض الٰہی کا سرچشمہ جاری کر لیا اور یہیں سے ان کی روح پر معرفت کی کرنوں نے گہر باری شروع کر دی

خلوت نشینی کے بعد اپنے قلب کو نعمت الٰہی سے معمور کر کے عوام کے سامنے آئے اور عالمگیر شہرت حاصل کی، یہاں تک کہ عقلیت کے معلم مثالی اور "اشبیلیہ" کے قاضی القضاۃ "بن رشد" نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور صرف خواہش ہی کی حد تک نہیں بلکہ وقوع پذیر بھی ہوئی اور دو عظیم شخصیتوں کا دو مرتبہ اجتماع ہوا، پہلی ملاقات کو خود بن عربی یوں بیان کرتا ہے کہ:

"جب میں بن رشد کے پاس پہنچا تو وہ میرے استقبال کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور محبت و شوق کے جذبہ سے مست ہو کر مجھے کھینچنے لگا اور معانقہ کیا، اس وقت میری عمر بہت کم تھی گویا میں بچہ ہی تھا، داڑھی مونچھ ابھی نہیں آئی تھی، اس کے بعد اس نے کہا: "نعم"۔ میں نے کہا "نعم" یہ سنکر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نے اسکے مطلب اور رمز و اشارہ کو سمجھ لیا تھا، اس کے بعد اس کا دوسرا پہلو سامنے لایا اور کہا "لا" جسے سنکر اسکے چہرے پر انقباض طاری ہو گیا اور اسکے چہرے کا رنگ بدلنے لگا اور میری علمیت و معرفت کے بارہ میں شک کرنے لگا، پھر مجھ سے پوچھا کشف اور فیض الٰہی کا معاملہ کیسا رہا؟ کیا کشف کے ذریعہ بھی وہی معلومات ہوتی تھیں جو نظر و فکر کے ذریعہ ہوتی ہیں؟ میں نے جواب دیا "نعم و لا" اور اثبات و نفی کے درمیان روحیں پرواز کرتی ہیں، یہ سنکر اس کا چہرہ فق پڑ گیا اور میرے اشارے کو سمجھ گیا"

بن عربی کہتے ہیں کہ جب میں امام قطب سے ملاقات کے لئے گیا تو انہوں نے .... مجھے یہ وصیت فرمائی کہ میں ملنے والے کسی بھی شیخ سے اپنی اصلاح کی درخواست نہ کروں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی اصلاح چاہوں اور اسکی جانب رجوع کروں۔ ان کے الفاظ ہیں:

لا تنتم الا الی اللہ فلیس لاحد ممن لقیتہ علیک ید مما انت فیہ بل اللہ تولاک برعایتہ وعنایتہ فاذکر من لاقیت ان شئت ولا تنتسب الا الی اللہ۔

تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے اصلاحی رشتہ نہ جوڑو کیونکہ تم جن لوگوں سے ملاقات کرو گے ان میں کسی کو تمہارے علم و معرفت میں کوئی مہارت نہیں ہے یہ اللہ کا خاص انعام ہے کہ اسنے تم کو اپنی عنایت و رعایت کا والی بنا دیا ہے۔ ملنے والے شیوخ سے اگر تمہارا جی چاہے تو اس کا ذکر کر دیا کرو لیکن اپنی نسبت اللہ کے علاوہ کسی اور سے ہرگز نہ جوڑنا۔

اس طرح بن عربی کے فیض الٰہی اور ان کے کشف ربانی کی مزید توثیق ہو جاتی ہے۔ ان کی کتاب "الفتوحات المکیۃ" تصوف اسلامی کا بیش بہا خزانہ

شمار کیجاتی ہے۔ اس کے اندر ان کے ہمعصروں کو حیرت کرنے والے معجزے پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت آپ کو ولی اللہ المختار، اور القطب الغوث الکبیر" جیسے عظیم القاب سے یاد کرتی ہے اور اسکے مقابلہ میں دوسری جماعت آپکے "زندیق مشرک خطیر" تک کہہ ڈالتی ہے۔

بن عربی نے اپنی اس ضخیم تصنیف کو مکہ مکرمہ میں تصنیف کیا جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، اس شہرۂ آفاق تصنیف سے انہوں نے اپنے دوست سلطان مغرب کو واقف کرانے کا ارادہ کیا جس نے دو مرتبہ آپکو وزیر بنانے کی پیش کش کی تھی، اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

فقیلدت ھذہ الرسالۃ یہ نادر و نایاب رسالہ جو حقیقت الیتیمۃ التی اوجدھا سے قریب تر ہے جہالت کے الحق لاعراض الجھل مقابلہ میں پیش کرنے کے لئے تمیمۃ ولکل صاحب میں نے لکھا ہے اور یہ ہر صاف صفی ومحقق صوفی۔ دل اور حقیقت صوفی کے لئے مفید ہے۔

بن عربی کی سیاحت صرف عالم ارواح ہی تک منحصر نہ تھی بلکہ آپنے اس زمانہ کے علماء کی شان کے مطابق دوسرے بہت سے شہروں کا بھی سفر کیا، چنانچہ جب مصر کی سیاحت کی تو وہاں آپکے مخالفین نے آپ پر ایک دم یورش کردی، وہاں سے نکل کر بیت اللہ کی زیارت کی اور مکہ میں ایک طویل مدت تک آپ کا قیام بھی رہا، اسکے بعد بغداد حلب، موصل اور اناضول اور ان کے قرب وجوار کی سیر وسیاحت کی پھر دمشق میں جاکر مستقل سکونت اختیار کرلی۔

بن عربی کی فیاضی اور سخاوت کا اندازہ ہمارا ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ "قونیہ" نامی عیسائی بادشاہ نے آپکے رہنے کیلئے ایک نہایت عالیشان محل عنایت کیا جس کی قیمت کا اندازہ اس زمانہ کے مطابق ایک لاکھ درہم کیا جاتا ہے۔ یہ مکان آپنے قبول تو کرلیا لیکن جب ایک سائل نے اللہ کے نام پر آپسے سوال کیا تو آپنے سنجیدگی سے فرمایا بھائی میرے پاس اس گھر کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، تم اسی کو لیجاؤ، سائل نے اس گھر پر قبضہ کرلیا، اب ان کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی

بن عربی کے معاصرین ان کے متعلق دو مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ موافقین میں قابل ذکر شخصیت مجد الدین فیروز آبادی اور مخالفین میں رضی الدین بن خیاط کی ذات ہے ان دونوں جماعتوں نے آپ کی موافقت ومخالفت میں بہت سی کتابیں اور رسائل تصنیف کئے ہیں جن سے عربی کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔

ان اختلافات واتفاقات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو بن عربی کی شخصیت بقول "بروکلمان" مصنفین ومؤلفین میں عقل وخیال کے اعتبار سے سبسے وسیع ہے اور اگر دوسرے مشہور فلاسفروں اور مصنفوں سے ان کا تقابل کیا جائے اور ابن سینا وامام غزالی کو سامنے لایا جائے تو اس مخصوص میدان میں بن عربی کیف وکم کے اعتبار سے ان دونوں سے آگے نظر آئیں گے۔

بن عربی نے اپنی وفات سے چھ سال پہلے اپنی تصنیف کا شمار دو سو نواسی کتب ورسائل کی شکل میں کرایا ہے اور مشہور مستشرق "بروکلمان" نے آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو پچاس ۱۵۰ مخطوطات ومطبوعات کے درمیان بتلائی ہے اور یہ کتابیں ان کے دعوے کے مطابق

ابتک کسی نہ کسی کتب خانہ میں موجود ہیں، امام شعرانی نے آپ
کی تصانیف حیرت انگیز زیادتی کے ساتھ بتلائی ہیں اور انکی
"الیواقیت والجواھر" کی تصریح کے مطابق آپ کی تصانیف
کی مجموعی تعداد چار سو ۴۰۰ ہے ۔

ابن عربی شاعر بھی تھے اور ان کا ایک دیوان ....
"ترجمان الاشواق" کے نام سے مشہور ہے اس میں خود
ان کے وہ اشواق و اشتیاق پائے جاتے ہیں جو روم کی
ایک جاریہ نے آپکے اندر پیدا کر دئے تھے اس لونڈی کو
آپنے مکہ میں خریدا اور اس سے معاشرہ قائم کیا، اس کے
پاس آپ کو ایسے ایسے لطائف و معارف نظر آئے کہ جس کو
کوئی بیان نہیں کرسکتا، اس سے زیادہ آپ کی منکوحہ "طفیلہ
عذراء حصفاء" نے آپ پر اثر اندازی کی جن کا لقب
"عین الشمس والبہاء" تھا آپ کی اولاد انھی سے چلی،

ان دونوں عورتوں اور ماں کے علاوہ ایک چوتھی
عورت نے بھی آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا جس سے آپ
"اشبیلیہ" میں متعارف ہوئے اور ایک طویل مدت تک
آپنے اس کی خدمت بھی کی۔ اس عورت کی عمر پنچانوے ۹۵
برس سے بھی زیادہ تھی، اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے
آپ فرماتے ہیں کہ " اس سن میں بھی میں اسکے چہرے کی
سرخی اور حسن وجمال کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرف
دیکھنے سے شرماتا تھا وہ چودہ برس کی دوشیزہ معلوم ہوتی
تھی۔ اس ظاہری حسن وجمال کے ساتھ اسے اللہ کے ساتھ
ایک خاص ربط تھا، مجھ جیسے تصوف کے دلدادے جو
اس کی خدمت میں رہا کرتے تھے اس کے نزدیک مجھ سے
کم درجہ کے تھے اور وہ مجھے دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے
فرمایا کرتی تھی:

ما رایت احداً مثل فلان — میں نے کسی کو فلاں (ابن عربی)
دخل علی بکلہ لایترک — کے مثل نہیں دیکھا جو اپنی تمام
منہ خارجاً عنی شیئاً ۔ — چیزوں کو لیکر میرے پاس آیا
اور کوئی چیز مجھے خارج نہیں چھوڑا۔

اس زاہدہ عابدہ عورت کی مزید توصیف کرتے
ہوئے ابن عربی لکھتے ہیں کہ اس کا نام فاطمہ بنت مثنی
قرطبی تھا اور وہ مجھ سے اکثر کہا کرتی تھی کہ:

انا امك الالھیۃ ونور — میں تجھ کو معرفت خداوندی
امك الزابیۃ ۔ — سے آشنا کرنیوالی ماں ہوں
اور نور تیری تربیت کرنے والی ماں

جب میری ماں نور اس عابدہ کی زیارت کے لئے
آئیں تو ان سے مخاطب ہوکے فرمایا:

یا نور ھذا ولدی — اے نور یہ میرا لڑکا ہے اہذا
فبریہ ولا تعقبیہ — تم اس کی عزت کرنا اور اسے
کسی قسم کی سزا نہ دینا۔

دنیا کی سیر وتفریح کے بعد آپنے شام کے سرسبز و شاداب
شہر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کی اور آخری وقت تک
یہیں مقیم رہے اور اس شان سے دمشق کے ایام گذارے
کہ دوسرے علماء رشک کرتے تھے ۔ "مخزومی" نے آپ کے
آستانے کا ایک نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

کعبۃ القاصدین ومثابۃ — ابن عربی کا آستانہ قاصدین
المتفقہین یرد الیہ — کا کعبہ اور اہل فقہ کا مرجع تھا
العلماء ویحف بہ الادباء — علماء اس کا چکر کاٹتے تھے
ویلوذ بہ الاولیاء و — اور ادبار اس کا طواف کرتے
یعترفون لہ جمیعاً بجلال — تھے اور اہل وفا اس کی
القدس وانہ استاذ — پناہ پکڑتے تھے، سبھی آپ کی
المحققین من غیر — عظمت شان اور جلالت قدر کا
انکسار — اعتراف کرتے تھے آپ محققین

بقیہ برصفحہ ۳۰

بقیہ محمد بن عربی صہ ۱۲

کے استاذ شمار کئے جاتے ہیں، لوگ آکر آپ کی تصانیف کو لکھتے ہیں اور دنیا کو اس سے روشناس کراتے ہیں اور آپ سے دعاء کی خصوصی گذارش کرتے ہیں۔

بعض صوفیہ بن عربی کا ایک عجیب مقولہ نقل کرتے ہیں کہ:

ان أدم ابا البشر وانا — آدم علیہ السلام ابوالبشر (بڑے آدم)
ادم الصغیر — ہیں اور میں چھوٹا آدم ہوں۔

اس کا مقصد روئے زمین پر حیات انسانی کی قدامت بیان کرنا اور اس سلسلہ میں قرآن میں بیان کئے ہوئے مضامین کی جانب اشارہ کرنا بظاہر سمجھ میں آتا ہے۔

بن عربی نے اپنے پیغام ایمان و محبت کی آخری دم تک تبلیغ کی اور اٹھارہ ربیع الثانی ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء جمعہ کو آیت "وعلمناہ من لدنا علما" کی تفسیر کرتے ہوئے جاں بحق ہو گئے، اس وقت قلم آپ کی انگلیوں کے درمیان پڑا پایا گیا ہے آپ کے اصحاب کا بیان ہے کہ انہوں نے آپ کی موت کے وقت ایک نور آسمان کی جانب پرواز کرتے ہوئے دیکھا تھا اس طرح یہ شمع فروزاں نظروں سے چھپ کر قلوب و عقول کو روشن کرنے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گئی۔

بن عربی نے آج سے سات سو برس پہلے کشف و ذکر سے ان علوم و معارف کو پالیا تھا جسے آج کے علماء نے بحث و استقرار کے بعد حاصل کیا۔

(العربی سے)